دہلی: مرقعِ دہلی کے تناظر میں

ڈاکٹر مہتاب جہاں

شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، موبائل: 9717412946

__تاریخی پس منظر__

ہندوستان اور دہلی شہر سے متعلق تاریخ کی کتابیں بیش بہا معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ان کتابوں میں ہندوستان اور اس کے شہروں کے ماضی کے حالات اور اس دَور کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ہندوستانی اور غیر ملکی تاریخ دانوں نے مختلف ادوار میں تاریخیں قلمبند کی ہیں۔ اگر یہ کتابیں نہ ہوتیں تو آج حال کے اُجالے میں رہنے والے ماضی کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوتے اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔ یہ کتابیں جانبدارانہ رنگ بھی لیے ہوئے ہیں اور جاہ وحشمت و مال و اسباب کے لالچ میں مبالغہ آمیزی اور خوشامد کا پُلندہ بھی ہیں۔ جس کی وجہ سے تاریخ کی یہ حقیقی تصویریں کچھ دُھندلی نظر آتی ہیں اور شعر و نثر کی دوسری اصناف کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً شاعروں کے دیوان، تذکرے، ملفوظات، مکتوبات اور بیاضات وغیرہ اور نثر میں تاریخی ناول، روزنامے، عمومی نثر پارے اور سفرنامے۔

یہ سفرنامے ہی اس دُھند کو صاف کرتے ہیں۔ جو ایک چشم دید شخص کی یادداشتوں اور اس کی اپنی سرگزشت پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے جوں کا توں تحریر کرتا جاتا ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ آمیزی یا جانبداری کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ان حقائق کا عینی شاہد ہوتا ہے اور کبھی کبھی ایسی باتیں بھی رَو میں کہہ جاتا ہے جو آگے چل کر بہت اہمیت کی حامل ہو جاتی ہیں۔ تو ان سفرناموں پر مکمل نہ سہی مگر کماحقّہٗ بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

ان سفرناموں میں جو دنوں نہیں، مہینوں نہیں بلکہ سالوں پر محیط ہوتے ہیں ان میں ملک یا شہر کی مکمل تصویر ملتی ہے۔ مثلاً سیاسی، سماجی، جغرافیائی، تہذیبی حالات کے علاوہ اُس جگہ کی آب و ہوا، رہن سہن، لباس و پہناوا، کھان پان اُس جگہ کی آبادی و جمعیت، تعمیراتی نظام، جشن و تہوار اور خوشی و غمی کی رسمیں وغیرہ۔

مغربی اور مشرقی سیاحوں نے ہندوستان کو اپنے اپنے زاویۂ نظر سے دیکھا ہے۔ جن میں البیرونی، ابن بطوطہ، شہاب الدین ابوالعباس احمد، بابر، برنیز اور منوچی شامل ہیں۔ ان تمام حضرات نے ہندوستان سے متعلق جو اطلاعات فراہم کیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ جو انہوں نے دیکھا وہ تحریر کیا۔

مثلاً البیرونی نے کتاب الہند میں ہندوستان کے شہروں کی حالت کے بارے میں مطلع کیا ہے کہ راج پوتوں کے زمانے میں شہری زندگی کی تنظیم میں ذات پات کے تصورات کا بڑا دخل تھا۔ اعلیٰ ذات کے لوگوں کے سِوا کسی کو شہر کی چہار دیواری میں رہنے کی اجازت نہیں تھی، مگر یہ حالت ترکوں کے آنے کے بعد یکسر بدل گئی اور اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طبقہ کے مکانات پہلو بہ پہلو نظر آنے لگے اور شہروں کے تمام دروازے کھول دیے گئے[1]۔ ابنِ بطوطہ جو ہندوستان میں تقریباً ۱۶ برس رہا۔ اس نے اپنے سفرنامہ عجائب اسفار میں دہلی سے متعلق بے حد اہم اطلاعات فراہم کی ہیں۔ اس نے اس وقت وفات پر ادا کی جانے والی رسومات کا ذکر بالتفصیل کیا ہے اور یہ ایک معتبر واقعہ کے پیشِ نظر بیان کیا گیا ہے کہ جب ابنِ بطوطہ کی خود کی بیٹی جس کی عمر ایک برس تھی وفات پا گئی تو سیوم کی رسم کے دن بادشاہی حکم کے مطابق عزاداری کی بعض رسومات ادا کی گئیں۔ ان میں پھول چڑھانے کی رسم خاص طور سے تھی۔ شاید اسی وجہ سے تیجے یا سیوم کی رسم کو آج بھی دلّی والے پھول یا پھول فاتحہ کہتے ہیں۔ مسالک الابصار کا مصنف شہاب الدین احمد اپنی کتاب میں ہندوستان کے لوگوں کے اخلاق و عادات کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ یہاں کے باشندے نہایت تیز، عقلمند و ہنرمند ہیں اور سب قوموں کے مقابلے میں اپنے نفسوں پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔

برنیر اپنے سفرنامہ میں دہلی کے مختلف اوصاف و خوبیوں کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کے نجومیوں اور رَمّالوں کا ذکر ''جھوٹے غیب دان'' کے عنوان سے کرتا ہے کہ یہ لوگ بازار میں ایک میلا سا

[1] اوراق مصور، ص: ۱۹

قالین بچھائے علم ریاضی کے کچھ پُرانے آلات اور بڑی سی ایک پُرانی کتاب جس پر بارہ بُرجوں کی شکلیں بنی ہوتی ہیں۔ اس طور سے یہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں اس کے علاوہ برنیر شاہ جہاں کے دور کے ایک ہندو عالم کے لباس کی تفصیل دیتا ہے اور جہاں آباد کی مٹھائیوں کی تعریف بھی کرتا ہے۔ منوچی نے بھی آگرہ کی دوکانوں کی مٹھائی کی تعریف کی ہے۔ غالباً وہ میٹھا ہی ہوگا۔ بابر کا حوالہ بھی یہاں غیر مناسب نہیں وہ بھی اپنی تصنیف ''بابرنامہ'' میں ہندوستان کی آب و ہوا، لباس، پھل اور پھولوں کا ذکر ناپسندیدہ انداز میں ہی سہی مگر اہم اطلاعات دیتا ہے۔

عہد وسطیٰ کے مؤرخین کا تاریخ نویسی کے تئیں ایک مخصوص نظریہ تھا۔ جس کو درباری مؤرخین نے بڑی خوبی کے ساتھ برتا۔ انہوں نے صرف سیاسی تاریخ کو اجاگر کیا اور بادشاہ کی دریا دلی، اس کی فتوحات، جنگیں، بغاوتیں اور تخت نشینی کے واقعات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا مگر انہوں نے اس دور کی روش، پس منظر، معاشرہ، سماجی، اقتصادی علمی اور انتظامی پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کر دیا جو تاریخ کے ہمہ گیر مضامین ہیں۔ مگر اس کمی کو پورا کیا یورپین سیاحوں نے۔ انہوں نے ہندوستان کے معاشرے پر خوب لکھا۔ جس کو ہندوستان کے لوگوں نے چنداں اہمیت نہیں دی کیونکہ وہ ان کو قریب سے جانتے تھے۔ یہاں کے رسم و رواج کو غیر اہم مانتے تھے مگر باہر سے آئے سیاح ان تمام باتوں سے ناواقف و انجان تھے۔ اسی لیے انہوں نے ان تمام چیزوں پر بڑی دلچسپی کے ساتھ غور کیا اور لکھا۔ ان میں برنیر، منوچی، ٹیری، ٹیونیر، سرٹامسن رو اور ہاکنس روشامل ہیں۔

اصل موضوع مقالہ:

اس مقالے میں نواب درگاہ قلی خان کی کتاب ''مرقع دہلی'' کا احاطہ کیا جارہا ہے۔ جو ایک سفرنامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل موضوع سے رجوع کرنے سے پہلے مختصراً مصنف کے حالات پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

نواب درگاہ قلی خان کا لقب ''ذوالقدر'' خطاب سالار جنگ، مؤتمن الدولہ، مؤتمن الملک، خان دوران اور تخلص درگاہ تھا۔ درگاہ قلی خان کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ خاندان قلی خان تھے۔ شاہ صفی کے زمانے میں قندھار کے گورنر علی مردان کے ملازم تھے۔ وطن مشہد مقدس تھا تر کان پورالوس خان کے سیاہ خیمہ کے ایک بڑے سردار کے بیٹے تھے۔ علی مردان کو شاہ صفی سے کچھ شکایتیں تھیں۔ اس لیے وہ قندھار کی گورنری چھوڑ کر ہندوستان آنا چاہتے تھے تاکہ شاہ جہاں بادشاہ کی ملازمت اختیار کرسکیں۔ ۱۶۳۰ء میں خاندان قلی خان کو ایک درخواست کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں بھیجا۔ جس کی بدولت شاہ جہاں نے علی مردان کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور خاندان قلی خان کو خلعت اور ایک ہزار روپے کے انعام سے سرفراز کیا۔ ۱۶۳۱ء میں علی مردان شاہ جہاں کی خدمات میں حاضر ہوئے اور کشمیر کی صوبہ داری سے سرفراز ہوئے۔ خاندان قلی خان بھی کشمیر میں رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ علی مردان کی سفارش پر شاہ جہاں نے اُن کے بیٹے درگاہ قلی خان اوّل کو اپنی ملازمت میں لے لیا اور ضلع ٹھٹھہ کی جاگیر اور منصب عطا کیا۔ جب ۱۶۵۶ء میں علی مردان کا انتقال ہوگیا تو شہزادہ اورنگ زیب نے درگاہ قلی خان اول کو اپنے منصب داروں میں شامل کرلیا۔ درگاہ قلی خان اول کے بعد ان کے بیٹے نوروز قلی خان دھاردار کو ضلع بیجاپور کی منصب داری ملی۔ ۱۷۱۰ء میں درگاہ قلی خان کی ولادت ہوئی یہ بہت ذہین اور ذکی الطبع تھے۔ چودہ برس کی عمر میں آصف جاہ نے انہیں منصب اور جاگیر سے سرفراز کیا اور بیس برس کی عمر میں آصف جاہ کے ہمرکاب ہوئے۔ غرض اس خاندان کے تمام افراد نے فرداً فرداً نواب درگاہ قلی خان کو عہدوں اور منصبوں سے نوازا اور مختلف خطابوں سے بھی مفتخر ہوئے، ۱۷۶۵ء میں نہ جانے کیوں سرکاری خدمات سے معزول کردیئے گئے اور نواب درگاہ قلی خان اورنگ آباد سے اپنی جاگیر نظام آباد چلے آئے۔ سرسام کے مرض میں گرفتار ہوئے اور ۲۲/اکتوبر ۱۷۶۶ء میں وفات پائی۔ ان کی لاش اورنگ آباد لائی گئی اور مقبرہ سالار جنگی میں مدفون ہوئے۔

درگاہ قلی خان کا سفرنامہ جس کو سفرنامۂ درگاہ قلی خان یا انشائے درگاہ قلی خان یا آبادی دہلی و مجملی احوال نادرشاہ و تاریخ ایران و ہند یا رسالۂ سالار جنگ یا تذکرۂ سالار جنگ مرحوم یا ''مرقعِ دہلی'' کہتے ہیں اٹھارویں صدی عیسوی کی سماجی اور تہذیبی زندگی کا اہم ترین فارسی ماٰخذ ہے اس میں درگاہ قلی خان نے جو اہم معلومات فراہم کی ہیں وہ کہیں نہیں ملتیں۔ اس لیے یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اس کے دو ایڈیشن اور شائع ہوئے ان ایڈیشنوں میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا۔ خواجہ حسن نظامی نے اس کی اردو تلخیص اور ڈاکٹر چندر شیکھر اور شاما مترا چنائے نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

نواب درگاہ قلی خان نے مرقع دہلی کو ۱۷۳۵-۴۱ء کے درمیانی

سالوں میں تحریر کیا اور اس میں نادر شاہ کی قتل و غارت اور لوٹ مار کے ساتھ ساتھ دلی والوں کی عیاشی مزے لے لے کر بیان کی ہے، مگر مرقعِ دہلی صرف ایک ایسی کتاب نہیں ہے جس میں اس عہد کی عیاشیوں، گانے والیوں اور رقاصاؤں کا ذکر ہو بلکہ اس میں دہلی کی سیاسی اور اخلاقی زوال کی ایک مکمل تصویر پیش کی گئی ہے۔ درگاہ قلی خان نے اُس وقت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں صوفیا، مشائخ کا بھی ذکر ہے۔ صوفیوں میں حافظ محمد شاہ مجنوں نانک شاہی اور مشائخ میں شاہ کمال، شاہ غلام محمد، شاہ رحمت اللہ فارسی شاعروں میں مرزا مظہر جانِ جاناں، معنی یاب خاں، حزیں، سراج الدین علی خان آرزو، مفتوں، وارستہ وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔

نواب صاحب نے مرثیہ گو اور مرثیہ خوانوں کے بارے میں بھی تحریر کیا ہے۔ ان میں مسکیں کے علاوہ باقی سب مرثیہ گو وہ ہیں جن کا ذکر صرف ''مرقعِ دہلی'' ہی میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مغلوں نے اپنے اقتدار، طاقت و دولت کھونے کے باوجود موسیقاروں اور فنکاروں کی زبردست سرپرستی کی۔ اس زمانے میں بھی اپنے فن میں یکتائے روزگار موجود تھے اور ان کے قدرداں بھی۔

درگاہ قلی خان نے رقاصاؤں اور گانے والیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ دلّی کی ایک ڈومنی نور بائی کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کی شان و شوکت کا یہ حال ہے کہ امرا اُن سے ملاقات کی التجا کرتے ہیں ان کا گھر دولتمندوں کے گھروں کی طرح ہر قسم کی شان و شوکت کے سامان سے بھرا ہوا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ غرض یہ سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں فقیر نے ایک دفعہ ان کی صحبت سے استفادہ کیا ہے۔

ایک اور ڈومنی کا ذکر یوں کرتا ہے۔ ادبیگم دلی کی مشہور ڈومنی ہیں جو کہ پائجامہ نہیں پہنتیں جسم کے نچلے حصہ پر خامۂ نقاش سے رنگین پائجامہ کے انداز کی رنگ آمیزی کرا لیتی ہیں۔ کمخواب کے تھان میں جو گل بوٹے ہوتے ہیں جس پر قلم سے بالکل اسی طرح کے گل بوٹے بنواتی ہیں۔ اس انداز سے امرا کی محفلوں میں جاتی ہیں۔ پائجامہ اور اس رنگ آمیزی میں کوئی فرق نہیں کرسکتا اور جب تک اس راز پر سے پردہ نہ ہٹے، کوئی اس فن کو نہیں سمجھ سکتا۔ چونکہ اس فن میں ندرت اور جدّت ہے اس لیے لوگ انھیں پسند کرتے ہیں۔ آج ہم اس فن کو نیا سمجھتے ہیں جو ٹیٹو کے نام سے جانا جاتا ہے، مگر یہ ہنر دو ڈھائی سو سال پرانا ہے یا شاید اس بھی زیادہ۔ کیونکہ ہم آدیواسیوں کے جسم پر کھدے جو گل بوٹے دیکھتے ہیں وہ بھی اس کی ایک شکل ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے فنکاروں کا ذکر بھی ہے۔ مثلاً نعمت خان بین نواز، تاج خان قوال، باقر طنبورچی، حسن خان ربابی، غلام محمد سارنگی نواز، گھانسی رام پکھاوجی، حسین خان ڈھولک نواز، دھمدھمی نواز، نقد سبوچہ نواز اور گانے والوں میں قائم علی، معین الدین قوال، برہانی قوال، رحیم خان جہانی، شجاعت خان، ابراہیم خان کلاونت، بولے (بھولے) خان کلاونت وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اس بات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ درگاہ قلی خان کو موسیقی کے فن کی اچھی سمجھ تھی۔ موسیقی اور رقص پر تاریخ لکھنے والے کے لیے یہ ایک اہم ماخذ ہے۔

درگاہ قلی خان نے صرف رقاصاؤں گانے والیوں اور طوائفوں کے علاوہ صاحب فن اَمر دوں (مخنّثوں) کا ذکر بھی خوب کیا ہے۔ اعظم خان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یہ خان جہان بہادر عالم گیر کے بھتیجے ہیں۔ امرائے عظیم الشان میں ہیں۔ مزاج میں رنگینی اور موسیقی میں مہارت ہے۔ اس لیے ہندوستان کے موسیقار ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت اَمرد پسند ہے۔ ان کی جاگیروں کی آمدنی اس فرقے پر خرچ ہوتی ہے اور تمام دنیا کی دولت ان اَمر دوں کے قدموں پر نثار۔ جہاں کہیں کسی اَمر د کی خبر ملتی ہے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس پر اپنی دوستی کی کمند ڈال لیتے ہیں۔'' کچھ اَمر دوں کے نام رجی، سرس روپ، ہنگامہ پیرامیاں اور سلطانہ ہے۔

نواب درگاہ قلی خان نے دلی کے دو بڑے بازاروں کا ذکر بھی کیا ہے۔ چوک سعد اللہ خان اور چاندنی چوک، چوک سعد اللہ خان کا اب کوئی نام و نشان باقی نہیں ہے۔ مصنف اس کی رونق کے بارے میں کہتا ہے:

> ''اس کا ہنگامہ قلعہ کے دروازے کے سامنے ہے اور اس کا مجمع جلو خانے کے سامنے سبحان اللہ ایسی کثرت سے رنگا رنگ چیزیں ہوتی ہیں کہ ان میں نگاہ گم ہوجاتی ہے۔ ہر طرف خوش رو اَمر د اپنے رقص سے قیامت ڈھاتے ہیں اور ہر طرف قصہ گو کے شور و غل سے حشر برپا ہوتا ہے۔ نجومی اور رمال بھی بے وقوف بنانے میں سرگرم رہتے ہیں۔''

نقالوں اور بادہ فروشوں کی جگہیں مقرر و بہت محفوظ ہیں۔ یہ لوگ وقت پر حاضر ہوکر کمائی کرتے ہیں۔ اسلحہ فروش ہر قسم کے اسلحہ نیام سے نکال کر ان کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔ تاکہ ان کے خریدار پیدا ہوں۔ جنگلی جانوروں اور پرندوں کا بازار تو ہوش گم کر دیتا

ہے۔غرض یہ ہے کہ انسانی ضرورت اور لذت نفسانی کی چیزیں یہاں فراہم ہیں۔

دوسرا بازار چاندنی چوک ہے۔ جو آج بھی ایک بارونق بازار ہے۔ مگر اٹھارویں صدی کے بازار سے اس کا کیا مقابلہ۔ درگاہ قلی خان نے چاندنی چوک کا حال کچھ یوں بیان کیا ہے۔تمام کوچوں سے زیادہ رنگین اور تمام بازاروں سے زیادہ سراپا تزئین.... باذاق لوگوں کی سیرگاہ اور مسرت وانبساط کے طالبوں کا تماشہ کدہ ہے۔اس کے راستوں پر نفیس کپڑے موجود ہر طرح کا سامان خریداروں کے لیے حاضر رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

درگاہ قلی خان نے اس وقت منعقد ہونے والے عرسوں کا بھی ذکر کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں اور اس وقت کے ماحول کی زبردست عکاسی ہے۔اس کے علاوہ بسنت تہوار کا ذکر بھی خوب ہے یہ تہوار سات دن تک منایا جاتا تھا۔ مذہب، جنسی لذتیں اور دنیاوی عیش وعشرت ایک ساتھ خلط ملط ہوگئی تھیں۔اس کا اندازہ بسنت کی تفصیلات پڑھ کر ہوتا ہے۔

غرض نواب درگاہ قلی خان کی یہ کتاب ''مرقعِ دہلی'' اٹھارویں صدی عیسوی کی دلی کی سیاسی ،سماجی، ادبی اور خانقاہی حالات کا آئینہ ہے جس میں تمام عکس واضح وشفاف ہیں اس کے علاوہ انشاء نویسی کی بھی ایک بہترین مثال ہے۔

ماٰخذ:

۱۔ مرقع دہلی: درگاہ قلی خان، مرتبہ ومترجمہ: خلیق انجم احمد مطبع ثمر آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی ۲۰۰۹ء۔ناشر، اردو اکادمی، دہلی۔۶

۲۔ سفرناموں میں دہلی: مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مطبع اصیلا آفیسٹ۔ کلاں محل، دریا گنج۔ دہلی۔۱۹۹۴، ۲۰۲۱ء۔ ناشر اردو اکادمی۔کشمیری گیٹ دہلی۔۶

۳۔ اوراق مصور، خلیق احمد نظامی:

۴۔ درگاہ قلی خان: مرقع دہلی، حیدرآباد ۱۹۲۶ء

۵۔ سفینۂ ہندی: بھگوان داس ہندی، مرتبہ عطا کاکوروی، پٹنہ ۱۹۵۷ء

۶۔ تذکرۂ بےنظیر: عبدالوہاب دولت آبادی، الہ آباد، ۱۹۴۰ء

۷۔ مرقع دہلی انگریزی ترجمہ: مترجمین ڈاکٹر چندر شیکھر، شاما مترا چنائے، مطبع ڈپٹی پبلی کیشن، دہلی ۱۹۸۹ء

◆◆◆

آثارالصنادید

اردو اکادمی، دہلی نے سرسید احمد خاں کی لافانی تصنیف ''آثار الصنادید'' کا اصل متن نامور محقق ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

سرسید احمد خاں کی لافانی تصنیف ''آثار الصنادید'' تاریخ سے سرسید کے علمی، تحقیقی وثقافتی دلچسپی کا نقشِ آغاز ہے۔اس میں انھوں نے دلّی کے آثارِ قدیمہ اور تاریخی عمارات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنے مقدمہ میں سرسید احمد خاں کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان عوامل کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے سرسیّد کو یہ کتاب تیار کرنے پر آمادہ کیا نیز فنِ تعمیر پر بھی تحقیقی انداز میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔

دہلی کے آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں نیز تاریخ وتحقیق کے طالب علموں کے لیے اردو اکادمی، دہلی کا ایک نایاب تحفہ۔

صفحات: ۷۴۸، (دوسرا ایڈیشن) قیمت: ۲۴۰ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی